© rasailojaraid.com

نہیں کہلائے گا؟" زبدۃ العرفاء نے فرمایا "نہیں! تصوف میں فضول خرچی (اسراف) ہوتا ہی نہیں ہے
ایک شخص نے صوفی سے کہا: "لا یکون السرف فی التصوف" صوفی نے جواب میں کہا نعم لا یکون السرف فی التصوف۔ سوال کرنے کا مقصد اعتراض کرنا تھا کہ صوفی کے لیے فضول خرچی کرنا نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ وہ خرچ کرے بر سبیل ضابطہ خرچ کرے، جواب دینے والے صوفی کا جواب یہ تھا کہ تصوف میں فضول خرچی کا مفہوم متحقق ہوتا ہی نہیں ہے، مطلب یہ کہ صوفی کو چاہیے کہ جو کچھ بھی اسے ملے بلکہ اگر دنیا میں جو کچھ بھی ہے سب اس کے قبضۂ تصرف میں آجائے اور اس سب کو وہ کسی ایک ہی شخص کو کھلا دے تب بھی اسراف نہیں ہوگا۔ تو صوفیا کا اس سلسلے میں یہی مسلک ہے، اور صوفیا کا یہ بھی اصول ہے کہ جب تک کسی مسئلے میں ان کو شریعت سے کوئی اصل (سند) نہیں ملتی وہ اس مسئلے کو اختیار کرنے کی جرأت نہیں کرتے ہیں، نفحات الانس میں ابراہیم خواص کے احوال میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے حضرت شبلیؒ سے دریافت کیا کہ دو سو درم کسی کے پاس ہوں تو وہ کتنے درم زکوٰۃ میں نکالے حضرت شبلیؒ نے فرمایا "تمہارے طریقے پر جواب دوں یا اپنے طریقے پر؟" اس نے کہا "آپ کا طریقہ کیا ہے اور میرا طریقہ کیا ہے؟" حضرت شبلیؒ نے کہا "تمہارا طریقہ یہ ہے کہ دو سو درم میں سے پانچ درم زکوٰۃ میں دے دو اور جہاں تک میرے طریقے کا معاملہ ہے وہ یہ ہے کہ دو سو درم ہوں تو وہ سو پانچ درم زکوٰۃ میں دیئے جائیں" اس شخص نے کہا "دو سو درم تو میں سمجھا یہ مزید پانچ کہاں سے ہوں گے؟" حضرت شبلیؒ نے کہا "جو دو سو درم ہیں وہ تو دے ہی دو اور پانچ درم قرض سمجھو" پوچھنے والے نے کہا "یہ کس امام کا مسلک ہے؟" حضرت شبلیؒ نے جواب دیا "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا"

علمی مباحثہ یا عداوت جامع ملفوظ (خواجہ حسن مودودی) پابوسی کی دولت سے سرفراز تھا، ملا محمد ولی (فرنگی محلی) نبیرۂ ملا نظام الدین (فرنگی محلی) کے اُس علمی مباحثہ کا ذکر آگیا جو زبدۃ العرفاء سے (بغیر منطق و فلسفہ پڑھے مسائل تصوف کا سمجھنا ممکن ہے یا نہیں" کے موضوع پر) ہوا تھا (اس مباحثے کی تفصیل پہلی قسط اور دوسری قسط میں گذر چکی ہے، دیکھیے برہان" مارچ ۱۹۵۸ء اور اپریل ۱۹۵۸ء) حاضرین محفل میں سے ایک صاحب نے کہا "بیشتر لوگ از راہ مخالفت حاضر خدمت ہوتے ہیں اور بغض و حسد کے جذبہ سے مباحثہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں یا آخر بعنوان شائستہ قائل ہو کر جاتے ہیں۔"

زبدۃ العرفاء (خواجہ علی اکبر مودودی) نے فرمایا "یہ عداوت، یعنی علمی مباحثہ میرے نزدیک عداوت نہیں بلکہ عین محبت ہے، اگر ایسی "عداوت" کے تحت ساری دنیا میری عدو (دشمن) ہو جائے تو میں اسے نعمت سمجھوں گا اور خدا کا شکر بجا لاؤں گا۔"

اس کے بعد فرمایا "حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوالات پوچھنے والوں کی کثرت ہوئی اور سوالات پوچھنے والوں کی کثرت تعداد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آثار ضعف پیدا ہونے لگے اور بعض سوالات کے جواب دینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسل کی کیفیت ظاہر ہوئی، چونکہ جناب احدیت (خدائے تعالیٰ) کو احمدیت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی رعایت سراسر منظور تھی اس لیے وحی نازل ہوئی کہ "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرگوشی کرو تو اس سے قبل کچھ نذر (صدقہ) پیش کرنا لازم کر لو۔" اس کے بعد سوالات دریافت کرنے اس وحی کے بعد (بے جا) سوال کرنے والوں کی زبان بند ہو گئی اور ہر شخص سوال کرنے میں سبقت کرنے سے احتیاط کرنے لگا.......... جب سوالات موقوف ہو گئے تو سلسلۂ وحی (کا تواتر بھی) موقوف ہو گیا۔ جب اس طرف سے (سوالات کرنے والوں کی طرف سے) کوئی محرک ہوتا تو اس طرف سے (پروردگار کی طرف سے) نزول وحی بھی ہوتا، سلسلۂ وحی کی موقوفی سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قلقِ عظیم لاحق ہوا تو وحی نازل ہوئی کہ "(اے ایمان والو!) سرگوشی سے پہلے نذر پیش کرنے سے دریغ کرتے ہو؟" پھر اس پابندی سے معافی ہو گئی اور نذر پیش کرنا (سوالات سے قبل) موقوف کر دیا گیا۔ بہرحال، علمی مذاکرہ ہر صورت میں بہتر ہے اس لیے کہ اہل دل کے قلوب پر معانی و مطالب کا الہام اسی سے ہوتا ہے۔" ص ۱۹۲

(باقی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدراس میں نو دن

(۲)

سعید احمد اکبر آبادی

جمالیہ عربک کالج میں جلسہ اور تقریر لکچروں کے دنوں مختلف دعوتیں وصول ہوئی تھیں ان میں سے جن دعوتوں کو منظور کر لیا گیا تھا ان سب کو لکچروں کے ختم پر اٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلا پروگرام جمالیہ عربک کالج یا بالفاظ صحیح تر مدرسہ جمالیہ کا ہوا۔ یہ مدرسہ مدراس کی ایک دیرینہ تعلیم گاہ ہے۔ یہاں کے ایک مشہور مخیر اور دین دار صنعت کار حاجی جمال محی الدین المتوفی ۱۳۴۲ھ نے ۱۸۹۸ء میں اس مدرسہ کی تاسیس کی تھی۔ اب ان کے پوتے جمال محی الدین صاحب جو ایک زمانہ میں پارلیمنٹ کے ممبر بھی تھے اس مدرسہ کے متولی و نگراں ہیں۔ مدرسہ کی اپنی ایک مختصر دو منزلہ عمارت ہے جس میں ایک مسجد دار الاقامہ۔ درس کے کمرے۔ کتب خانہ اور دفاتر وغیرہ سب کچھ ہیں۔ نظام تعلیم دو حصوں پر منقسم ہے (۱) مختصر اور (۲) مطول۔ ہر ایک حصہ میں نصاب تعلیم دو دو برس کا ہے جو کم و بیش سب ہی علوم و فنون دینیہ و عربی پر مشتمل ہے لیکن عربی، و زبان و ادب کی تعلیم کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ذریعہ تعلیم بھی عربی ہے۔ طلبا ر کی تعداد غالباً بیس سے زیادہ نہیں ہوگی اور ان میں بھی اکثریت غیر ملکی طلباء کی ہے۔ آج کل مولانا محمد عبد الباری صاحب جو بلند پایہ اور وسیع النظر عالم ہیں مدرسہ کے پرنسپل ہیں۔ راقم الحروف کو موصوف سے دیرینہ نیاز مندانہ تعلق ہے اور اسی تعلق کے باعث علالت طبع کے باوجود ایک روز اپنے فرزند ارجمند مولانا عبد الباقی کے ساتھ آپ قیام گاہ پر تشریف لائے اور روزانہ لکچروں میں بھی شریک ہوتے رہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا الحاج عبدالوہاب بخاری جو پہلے نیو کالج - مدراس کے پرنسپل تھے وہاں سے سبکدوش ہو کر اب اس مدرسہ کے متمدہیں اور مدرسہ ہی کے ایک مکان میں رہتے ہیں۔ مولانا میرے دیرینہ اور عزیز بے تکلف دوست ہیں۔ قیام مدراس کے دنوں میں ان کے ساتھ ہر مقام پر اور ہر جگہ معیت رہی۔ انھوں نے ۱۲ جولائی کو میری صدارت میں ایک جلسۂ سیرت کا اہتمام مدرسہ میں کیا تھا۔ ٹھیک ساڑھے دس بجے صبح جلسہ کا آغاز ہوا۔ جلسہ میں اساتذہ، طلباء اور ملازمین کے علاوہ شہر کے اور بیرونی حضرات بھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور مولانا بخاری کی تعارفی تقریر کے بعد معزز مہمانوں میں سے پروفیسر محمد یوسف کوکن نے اردو میں اور مسٹر شعیب عالم اور ایک صاحب جو ایم اے تھے انھوں نے تامل میں اور متعدد طلبا نے برجستہ اور شستہ عربی میں تقریریں کیں اور نظمیں سنائیں۔ آخر میں میری تقریر عربی میں ہوئی جس میں عربی زبان و ادب کی اہمیت پر گفتگو کرنے کے بعد اس طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ عربی زبان میں مہارت اور اس کے ساتھ ممارست کو مقصود بالذات نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ان کو علوم دینیہ و اسلامیہ میں حقیقی استعداد بہم پہنچانے اور ان کی خدمت کا ذریعہ ہونا چاہیے کیوں کہ مدارس کی اصل غرض وغایت یہی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا گیا کہ مدرسہ شروع سے ایک ہی روش پر قائم ہے۔ ضرورت ہے کہ وقت کے علمی، دینی اور تعلیمی تقاضوں کے مطابق اس کی توسیع ظاہری اور معنوی دونوں طرح پر کی جائے۔ جلسہ کے اختتام پر مدرسہ کے دیرینہ اور فاضل استاد افضل العلماء مولانا محمد غزالی نے فصیح و بلیغ عربی میں ایک پرجوش تقریر کی اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

نیو کالج عربی سوسائٹی کا جلسہ نیو کالج مدراس کے مسلمانوں کا ایک مشہور اور نیک نام کالج ہے۔ جہاں آرٹس، سائنس اور کامرس سب ہی مضامین کی تعلیم کا اعلیٰ بندوبست ہے۔ اس کی عمارتیں جن میں طلباء کے لیے ہاسٹل اور مسجد بھی شامل ہیں۔ وہ بھی وسیع کشادہ اور خوبصورت ہیں۔ کالج میں شعبۂ عربی کے صدر پروفیسر سید علی صاحب ہیں۔ موصوف تصنیف و تالیف کا ذوق اور اپنے مضمون کی خدمت کا مخلصانہ جذبہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ابھی حال میں عربی گرامر اور انشا پر انھوں نے انگریزی اور عربی میں نہایت عمدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور خوبصورت کتاب شائع کی ہے۔ اس مرتبہ تعلیمی سال کے آغاز پر موصوف کی خواہش ہوئی کہ انکے شعبہ کی عربی سوسائٹی کا افتتاح میں کروں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے پہلے علی گڈھ لکھا اور پھر یہاں بھی قیام گاہ پر آکر اس کی تجدید کی۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق اسی ۲۱ رکو شام کے پانچ بجے کالج کے اسمبلی ہال میں ایک جلسہ کالج کے لائق سکریٹری جناب نذیر احمد صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ قرآن مجید کی تلاوت کے بعد پہلے جناب سید علی صاحب نے اولاً عربی میں اور پھر انگریزی میں جلسہ کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی اور پھر کالج کے لائق پرنسپل جناب محی الدین صاحب نے ایک خیر مقدمی تقریر انگریزی میں کی جس اتفاق سے جس سال میں مونٹریال (کناڈا) میں تھا موصوف بھی اس زمانہ میں وہیں تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی تقریر میں وہاں کی میری بعض تقریروں میں اپنی شرکت کا تذکرہ بہت ہی کرم گسترانہ انداز میں فرمایا جس کے لیے میں سراپا تشکر و امتنان ہوں۔ اس کے بعد سوسائٹی اور اس کے اغراض و مقاصد کے پیش نظر میری تقریر عربی میں ہوئی لیکن چونکہ جلسہ میں کالج کے اساتذہ اور طلبا اور شہر کے معزز حضرات کثیر تعداد میں موجود تھے اس لیے یہ دوسری تقریر انگریزی میں کی یوں کرنے کو تقریر تو ایک چھوڑ دو کردی لیکن بدحواسی کا برا ہو سوسائٹی کا افتتاح کرنے کے لیے رسمی طور پر جو الفاظ کہنے چاہیے تھے وہ پھر بھی نہ کہے۔ بعد میں اپنی یہ کوتاہی یاد آئی تو سخت افسوس ہوا۔ امید ہے ارباب کالج معاف فرمائیں گے۔

آج یہ پہلی شام تھی جس میں کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ اس لیے یہاں سے فراغت کے بعد عبدالواحد صاحب مجھے اور مولانا کوکن کو لے کر سمندر کے ساحل پر آئے، یہ بڑا پر فضا اور دلربا منظر تھا۔ بچپن میں جغرافیہ کی کتاب میں پڑھا تھا کہ مدراس میں سمندر کی موجیں ساحل سے بہت زور سے ٹکراتی رہتی ہیں اس لیے جہاز یہاں حفاظت کے ساتھ نہیں ٹھہر سکتے" اس وقت موجوں کی شدت کا یہی عالم دیکھا تو طبیعت بڑی محظوظ ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موجیں ہمارے ساتھ HIT AND RUN کا کھیل کھیل رہی ہیں۔ کچھ دیر یہاں تفریح کرنے کے بعد واحد صاحب نے شہر کے خاص خاص علاقوں کا ایک گشت کرایا۔ اور اسی سلسلہ میں ایک طویل بازار دکھایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں سب دکانیں مسلمانوں کی ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی دکان میں بھی سامان لاکھوں روپیہ کا ہے۔ اسی علاقہ میں مولانا کمپنی ہے جو صرف شہد کا کاروبار لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ سالانہ کا کرتی ہے۔ اسی بازار میں معلوم ہوا چند روز پہلے ایک چھوٹی سی دکان ایک شخص نے اسی ہزار روپے پگڑی دے کرلی ہے۔

سفر ویلور، عمرآباد وامبور | چند روز پہلے مولانا شیخ حسن اور مولانا محمد صبغۃ اللہ بختیاری جو علی الترتیب مدرسہ باقیات صالحات کے ناظر اور استاذ ہیں اور مولانا کاکا محمد عمر اور جناب کاکا محمد سعید صاحب جو علی الترتیب جامعہ دارالسلام عمرآباد کے مہتمم اور معین مہتمم ہیں ازراہ کرم وعنایت ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے اور اپنے اپنے ہاں کی دعوت دے گئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ دعوت نہ دیتے میں تب بھی آتا۔ ملک کی ان مشہور تعلیم گاہوں کو دیکھنا پہلے سے میرے پروگرام میں شامل تھا۔ مذکورۂ بالا تینوں مقامات تھوڑے تھوڑے فصل سے ہیں اور شمالی ارکاٹ میں شامل ہیں۔ مدراس شہر سے کم وبیش پونے دوسو کیلو میٹر کی مسافت پر واقع ہیں۔

۲۲ جولائی کی صبح کو ناشتہ سے فارغ ہو کر مولانا محمد یوسف صاحب کوکن اور جناب حبیب اللہ صاحب کی معیت میں کار کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ خود عبدالواحد صاحب بھی چلنے والے تھے لیکن وقت کے وقت انہیں کام نکل آیا اور وہ ہمراہ نہیں ہوسکے۔

مدرسۂ لطیفیہ ویلور | ۱۱ بجے کے قریب مدرسۂ لطیفیہ پہنچے جو یہاں حضرت مکان صاحب کے نام سے معروف، ہزاروں مسلمانوں کی عقیدت گاہ اور جنوبی ہند میں سب سے پرانی دینی تعلیم گاہ ہے اب سے کم وبیش پونے تین سو برس پہلے اپنے عہد کے بہت بڑے عالم اور بزرگ سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لائے اور اب جہاں "حضرت مکان" ہے قیام پذیر ہوئے ایک روز خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت وزیارت کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ جہاں ہیں وہاں ایک مدرسہ اور خانقاہ کی تعمیر کریں۔ آنکھ کھلی تو امر کے کچھ آثار بھی نظر آئے۔ اب تعمیل ارشاد میں کیا دیر ہوسکتی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[redacted] ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اٹھارہویں صدی کا زمانہ مسلمانوں اور اسلام کے انتہائی انحطاط کا زمانہ ہے۔ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد سے ہی مغل سلطنت کو جو گھن لگنا شروع ہوا تھا اس نے سلطنت کی بنیادوں کو اس زمانہ میں اس درجہ بوسیدہ اور کھوکھلا کر دیا تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغہ) کے نزدیک اب جہاد کے سوا کوئی اور چارہ باقی نہ رہا تھا۔ سیاسی زوال کے ساتھ دینی اور اخلاقی معاشی اور سماجی حیثیت سے بھی مسلمان کس اسفل السافلین میں جا پڑے تھے؟ اس کا اندازہ حضرت شاہ صاحب کی ان تحریروں سے ہوتا ہے جن میں آپ نے اس وقت کے مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر گروہ (بشمول علماء و صوفیا) کی زبوں حالی کا سخت ماتم کیا۔ اور اس کا چارہ فَکُّ کُلِّ نظامٍ بتایا ہے۔ جب گرمی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو بارش بھی ہوتی ہے اور شبِ تار کا عروج طلوع صبح کا پیش خیمہ بھی ہوتا ہے۔ فطرت کے اس قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ایک شمالی ہند میں حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی کو پیدا کیا اور دوسری جانب جنوبی ہند میں مولانا سید عبداللطیف صاحب قادری کی ولادت ہوئی۔ کرناٹک میں ایک مستقل اسلامی ریاست کے بانی مبانی نواب سعادت اللہ خاں تھے جنھوں نے اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے سات برس بعد یعنی ۱۱۲۵ھ میں قلعہ جنجی فتح کیا تھا[1]۔ ان کے عہد میں بیجاپور کے بیسیوں خاندان ترکِ وطن کر کے کرناٹک کے مختلف علاقوں میں آبسے انہیں میں ایک گھرانہ مولانا شاہ عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ مولانا پہلے اِدھر اُدھر رہے لیکن آخر میں ویلور کو اپنا مسکن بنا کر یہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہو گئے اور جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا آپ نے یہاں ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ تعمیر کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی (از ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۲ء تا ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۳ء) اور مولانا شاہ

---

[1] اس موقع پر نواب صاحب کے برادر بزرگ نواب غلام علی خاں نے تاریخ نکالی تو کہا

"کردا اسلام کفر را بیرون"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبداللطیف صاحب بیجاپوری (از ۱۰۶۶ھ تا ۱۱۴۹ھ) دونوں ہم عہد و ہم عصر ہیں اور جو کام علوم دینیہ کی ترویج ہدایت وارشاد اور احیائے سنت کا حضرت شاہ صاحب نے دہلی کو اپنا مرکز بنا کر کیا بعینہ وہی کام مولانا سید عبداللطیف صاحب نے ویلور کو اپنا صدر مقام قرار دیکر انجام دیا۔ اور آج برصغیر ہند و پاک میں علم دین اور مذہب کی جو شمع روشن ہے کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ان بزرگوں کے انفاسِ قدسیہ کا فیض نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے علوم دینیہ کی ترویج واشاعت اور معاشرہ کی اصلاح و ہدایت کی مہم کا آغاز کیا تھا۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد احباد نے اس کو آگے بڑھایا اور ترقی دی لیکن ایک نسل کے بعد یہ امانت آپ کے خاندان میں محفوظ نہیں رہ سکی۔ چنانچہ آج نہ اس مدرسہ رحیمیہ کا کہیں نام و نشان موجود ہے جو آپ کے والد بزرگوار نے قائم کیا تھا اور نہ خاندان کے بقیہ افراد و اشخاص کا پتہ ہے کہ کہاں گئے لیکن اس کے برخلاف مولانا سید عبداللطیف صاحب نے ویلور میں جو چشمہ فیض جاری کیا تھا وہ بحمداللہ نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا ہوا ان کے خاندان میں اب تک موجود ہے اور اسی وجہ سے وہاں یہ خاندان "اقطاب ویلور" کا خاندان کہلاتا ہے۔ چنانچہ مولانا کی وفات کے بعد صاحبزادہ مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی (۱۱۱۳ھ تا ۱۱۸۲ھ) اور ان کے بعد ان کے فرزند ارجمند مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف صاحب ذوقی (از ۱۱۵۵ھ تا ۱۱۹۲ھ) اور پھر ان کے فرزند مولانا سید شاہ ابوالحسن قادری محوی (از ۱۱۸۶ھ تا ۱۲۴۳ھ) اور ان کے فرزند مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف صاحب لطفی (از ۱۲۰۲ھ تا ۱۲۸۹ھ) علم جمؒ یہ سب نہایت بلند پایہ عالم اور صوفی ہوئے ہیں۔ یہ سب حضرات صاحب درس تھے اور صاحب وعظ وارشاد بھی اور ساتھ ہی ایک اعلیٰ درجہ کے مصنف اور اہلِ قلم بھی ان کی چند در چند تصنیفات تفسیر۔ حدیث فقہ پر ہیں اور سلوک و معرفت کے مسائل و مباحث پر بھی۔ یہ مختصر ہیں اور مطول بھی اور عربی اور فارسی دونوں میں شعر و شاعری کا ذوق خاندانی اور موروثی ہے۔ اسی وجہ سے ہر ایک کے نام کے ساتھ ایک تخلص لگا ہوا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ عام مسلمانوں کے عقائد و اعمال باطلہ کی اصلاح کے سلسلہ میں تحریراً و تقریراً اس خاندان نے جو عظیم خدمات انجام دی ہیں ان کی وجہ سے آج یہ "حضرت مکان" مرجع عوام و خواص ہے اور ہندوؤں تک کو اس درگاہ کے ساتھ بڑی عقیدت و ارادت ہے۔

مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر سجادہ نشین

موجودہ سجادہ نشین مولانا شاہ محمد باقر صاحب بانیٔ مدرسہ خانقاہ مولانا سید عبداللطیف صاحب بے جا پوری کی آٹھویں پشت میں ہیں ۱۳۲۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ علم و عمل اور تقویٰ و طہارت میں اپنے بزرگوں کا نمونہ ہیں۔ ان کی صورت دیکھ کر خدا یاد آتا اور دل میں نیکی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ان کی زندگی درس و تدریس، مطالعہ اور خلقِ خدا کی خدمت کے لیے وقف ہے۔ پھر سب سے بڑی بات . . . جس کا مجھ پر غیر معمولی اثر ہوا وہ یہ ہے کہ موصوف اپنی ذات کے لیے یا مدرسہ اور خانقاہ کے لیے کسی شخص سے کسی قسم کا نذرانہ یا مالی امداد بالکل قبول نہیں فرماتے اور مدرسہ کا پورا خرچ جس میں اسی طلبا کا کھانا اور کپڑا وغیرہ بھی شامل ہے۔ سب اپنی زرعی جائداد کی آمدنی سے پورا کرتے ہیں جو موروثی طور پر ان کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ اور پھر زرعی جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی بھی خود کرتے ہیں۔ کاشت کے دنوں میں نو دس بجے صبح نکل جانے اور شام کو پانچ بجے کے قریب واپس لوٹتے ہیں۔ اگر مولانا موصوف یا ان کی خانقاہ کا کوئی شخص اس بات کو بیان کرتا تو مجھ کو باور کرنے سے پہلے ذرا سوچنا پڑتا۔ کیونکہ بدقسمتی سے ہمارے علماء اور مشائخ کا سب سے زیادہ کمزور پہلو یہی ہے کہ زبان مبارک پر استغنار اور توکل کے ہزاروں دعوے اور اٹھتے بیٹھتے اس کی تعلیم و تلقین لیکن ساری زندگی الطاف و عنایات معتقدین اور فتوحات غیبی کی مرہون احسان! مجھ کو اس کا یقین بڑی حیرت اور اچنبھے کے ساتھ اس لیے ہوا کہ مولانا کی اس خصوصیت کا تذکرہ پورے وثوق کے ساتھ ایک دو نہیں متعدد سیٹھ صاحبان اور بعض علمار نے کیا۔ مولانا سید شاہ محمد باقر صاحب تو خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں لیکن ان کے برادر خورد مولانا ابوالحسن سید شاہ محمد طاہر صاحب مدرسہ کے ناظر و مہتمم ہیں۔ اور اخلاق و عادات میں خاندانی روایات کے حامل۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم لوگ مدرسہ لطیفیہ یا بالفاظ دیگر "حضرت مکان" اچانک پہنچے تھے پہلے سے یہاں کسی کو اطلاع نہ تھی۔ البتہ حبیب اللہ صاحب نے راستہ ہی میں ایک جگہ کار روک کر فون کر دیا تھا۔ ہم وہاں پہنچے تو دونوں بزرگ نہایت خندہ پیشانی اور تکریم و تواضع سے پیش آئے۔ فوراً ہی وسیع و عریض دسترخوان بچھ گیا جو انواع و اقسام نعمت سے مزین تھا۔ اس قسم کے مواقع میرے لیے سخت ابتلا کے ہوتے ہیں کیوں کہ ایک جانب معزز میزبان کی دل شکنی کا خیال دامنگیر ہوتا ہے اور دوسری طرف میں اپنی اس عادت سے مجبور ہوں کہ کھانے کا اگر وقت نہ ہو تو انگور کا ایک دانہ بھی نہیں چکھ سکتا۔ لیکن مولانا محمد یوسف صاحب کوکن اور جناب حبیب اللہ صاحب جو میری اس عادت اور طبیعت سے خوب واقف ہو گئے تھے۔ انھوں نے دونوں بزرگوں سے میری طرف سے معذرت کر کے مدد کی۔ میں نے پاس ادب سے پھر بھی آم کی دو ایک قاشیں کھا کر چائے نوش کر لی۔ اس سے فراغت کے بعد دونوں بزرگوں نے حبیب اللہ صاحب سے شکایت کی انھوں نے اور عبدالواحد صاحب نے ایک روز پہلے اطلاع نہیں دی ورنہ اساتذہ اور طلبا کے اجتماع کا انتظام کیا جاتا اور دوپہر کا کھانا بھی یہیں ہوتا۔ جس طرح مولانا شبلی کو پہلی مرتبہ "ہمایوں نامۂ گلبدن بیگم" کا علم ہونے پر ایک بلند پایہ مورخ ہونے کے باوصف اس وقت تک اس سے ناواقف رہنے پر افسوس ہوا تھا۔ اسی طرح اس وقت مجھے اپنی اس جہالت پر سخت افسوس ہوا کہ مسلمانوں کی علمی اور دینی تاریخ کا ایک طالب علم ہونے کے باوجود اب تک میں مدرسہ لطیفیہ اور اس کے بزرگوں کے علمی، دینی اور اصلاحی کارناموں سے بالکل ناآشنا تھا۔ اب اس وقت اس خاندان کے اکابر علما و مشائخ کی نہایت اہم اور ضخیم تصنیفات کا جن میں سے اکثر و بیشتر اب تک مخطوطات کی صورت میں مدرسہ کے وسیع کتابخانہ میں محفوظ ہیں اور جن میں سے بعض پر اس وقت ایک طائرانہ نگاہ ڈالی بھی تو گویا چشم کھل گئی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے شمال و جنوب میں صرف بعد مسافت نہیں ہے۔ بلکہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان میں علمی بعد بھی کسی قدر زیادہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ان گنجہائے گراں مایہ کی طباعت اور ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نشر و اشاعت کا انتظام ہونا چاہیے۔ فرمایا: ہاں! اب اس کی تیاری ہو رہی ہے۔ مدرسہ کے موجودہ ناظر خاندانی وراثت کے حامل ہونے کے ساتھ مدراس یونیورسٹی کے گریجویٹ بھی ہیں۔ اس لیے موجودہ زمانہ کے تقاضوں سے واقف ہیں۔ اس بنا پر مدرسہ میں طلبا کی ایک انجمن بھی ہے۔ اور مدرسہ کا ایک سالنامہ مجلہ "اللطیف" کے نام سے بھی شائع ہوتا ہے۔ بڑی تقطیع پر کم و بیش پونے دو سو صفحات علمی اور ادبی مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں۔ دس برس سے یہ مجلہ پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ مدرسہ کا نصاب نو برس کا ہے اور اس حیثیت سے بڑا جامع اور مدارس عربیہ کے عام نصابوں سے ممتاز ہے کہ اس میں حدیث، تفسیر، فقہ، عربی ادب اور نحو و بلاغت کے علاوہ تاریخ فلسفہ، تاریخ منطق اور فلسفہ۔ علم ہیئت۔ ریاضی۔ فلکیات۔ علم کلام، تصوف اور طب، وغیرہ کی اعلیٰ اور مستند کتابیں بھی شامل ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ کسی مدرسہ کے لیے یہ نصاب واقعی معیاری ہو سکتا ہے۔

اب بارہ بج رہے تھے اور ابھی مقررہ پروگرام کے ماتحت مدرسہ باقیات صالحات پہنچنا اور وہاں سے فارغ ہو کر ۱ بجے جامعہ دار السلام عمرآباد میں ظہرانا کھانا تھا اس لیے بعض بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھ کر اور مدرسہ و خانقاہ کا ایک چکر لگا کر ہم لوگ روانہ ہوئے۔ (باقی)

مستند کتاب

اٹھارویں صدی عیسوی کی ہندوستانی معاشرت پر مرزا محمد حسن قتیل کی سب سے زیادہ

"ہفت تماشا"

جو ابھی تک اُردو داں طبقہ کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔ اب ڈاکٹر محمد عمر استاذ شعبۂ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے اسے فارسی سے سلیس اور بامحاورہ اُردو میں منتقل کر کے ہندوستانی تہذیب و معاشرت کے طالب علموں اور محققوں کے لئے اِس انمول ذخیرۂ معلومات کا افادہ عام کر دیا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں شمالی ہند کی تہذیبی سرگرمیاں ہوں یا سیاست، شعر و شاعری ہو یا مذہبی تحریکات یا سماجی رسوم ان کا مطالعہ کرنے والا کوئی ناقد اِس کتاب کو نظر انداز کر کے اپنے موضوع سے انصاف نہیں کر سکتا۔ کتاب کے شروع میں جناب مالک رام صاحب کا لکھا ہوا تعارف اور جناب نثار احمد فاروقی کا مقدمہ بھی شامل ہے۔ سائز متوسط ۲۰×۲۶/۸ صفحات ۲۴۱

© rasailojaraid.com